حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے متعلق[1]

چند غلط روایات

از جناب مولوی محمد عضد الدین خاں ایم، اے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ اہم شخصیات سے متعلق کچھ افسانے گڑھ لئے گئے، اور ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے، اور بعد میں آنے والی نسلوں نے اکثر ان اکابر سے حسن عقیدت اور کبھی اصل راوی یا اس راوی سے روایت کرنے والوں کی ثقاہت کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے ان کو صحیح مان لیا ہے، یہاں تک کہ وہ افسانے اور بے بنیاد قصے ان کی زندگی کا جزو شمار ہونے لگے ہیں مگر جب ان کو تاریخ اور حقائق کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو وہ بالکل فرضی اور مہمل ثابت ہوئے۔

اسی قبیل کے چند واقعات حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف بھی منسوب ہیں، ان میں زیادہ اہم واقعات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پہنچے اترولنے اور شاہ عبدالعزیز پر چھپکلی کا اُبٹن ملوانے، ان کو زہر دینے اور پھر ان کو اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین کو شہر بدر کرنے اور اسی سفر میں شاہ عبدالعزیز کو لو لگنے اور اس کی وجہ سے ان کی بصارت جانے کے ہیں، انھیں سب سے پہلے امیر شاہ خاں نے اپنی کتاب "امیر الروایات"[2] میں اس طرح بیان کیا ہے۔

---

[1] ماہنامہ "برہان" دہلی سے شکریے کے ساتھ یہ مضمون نقل کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

[2] یہ کتاب امیر شاہ خاں صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جو مولانا اشرف علی صاحب کے حواشی کے ساتھ سہارنپور سے شائع ہوئی ہے۔

اس زمانے میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تھا، چنانچہ دہلی میں نجف علی خاں کا تسلّط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر بیکار کر دیئے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں اور مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کو شہید کرا دیا تھا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنے قلمرو سے نکال دیا تھا اور ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے، اس کے بعد مولانا فخرالدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہو گئے تھے مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز کو سواری بھی نہ ملی تھی اور شاہ رفیع الدین تو پیدل لکھنؤ چلے گئے، اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیونکہ نہ ان دونوں کو سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔ اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا اُبٹن ملوا دیا تھا، جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا۔ اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی، جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی، اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے۔[1]

اس روایت کو خاں صاحب موصوف کے بعد اکثر اکابر علماء نے نہ صرف نقل کیا ہے بلکہ اس کو کافی اہمیت بھی دی ہے، اس سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی[2] مولانا محمد میاں[3] اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی[4] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تعجب ہے کہ ان حضرات نے ذرا بھی غور نہ کیا اور بالکل بے بنیاد افسانوں کو حقیقت سمجھ بیٹھے، اب آئیے ہم ان کا تاریخ کی روشنی میں مطالعہ کریں۔

اس سے پہلے کہ ہم ان واقعات کو ان حضرات کی زندگیوں میں تلاش کریں، اور ان پر تفصیلی بحث کریں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے افسانے کے ہیرو نجف خاں کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

مرزا نجف خاں اصفہان میں پیدا ہوا، وہ ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اٹھارہ برس کی عمر میں ہندوستان آیا اور محمد قلی خاں کے یہاں جو اس وقت نواب اودھ کی طرف سے الہ آباد کے قلعہ کا

---

۱ امیر الروایات ص ۳۳

۲ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر صفحہ ۲۲۷- ۳۳- ۲۳۲

۳ علماء ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ صفحہ ۵۲

۴ THE MUSLIM COMMUNITY OF THE INDOPAK P.186

عامل تھا ملازم ہوگیا۔ ۱۷۶۱ء میں شجاع الدولہ نے محمد قلی خاں کو قتل کرادیا۔ اس کے بعد مرزا نجف خاں بنگال چلاگیا۔ اور میر قاسم کے یہاں ملازم ہوگیا جس کے ساتھ وہ بندیل کھنڈ بھی آیا۔ ۱۷۶۵ء میں وہ انگریزوں کے کیمپ میں جو الہ آباد کے قریب تھا شامل ہوگیا۔ اور الہ آباد پر انگریزوں کے قبضے کے سلسلہ میں ان کی بڑی مدد کی، اس نے مرہٹوں کے خلاف بھی انگریزوں کا پورا ساتھ دیا اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی میں اس کا اچھا اثر ہوگیا، ۱۷۷۱ء میں وہ مغل بادشاہ شاہ عالم کی ملازمت میں جو اس وقت الہ آباد کے قلعے میں تھا آگیا۔ اور جب ۱۷۷۲ء میں شاہ عالم الہ آباد سے دہلی آیا تو مرزا نجف خاں کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر لا یا، یہاں وہ اپنے کارہائے نمایاں کی بنا پر بہت جلد ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر غالب جنگ کا خطاب مغل دربار سے حاصل کرلیتا ہے، اس کے بعد امیر الامراء کا خطاب اس کو مل جاتا ہے اور وکیل مطلق کے عہدے پر فائز ہو جاتا ہے، جس پر وہ اپنے آخری وقت تک رہتا ہے۔ اس کا انتقال ۴۹ برس کی عمر میں دہلی میں ۸ رجمادی الاخریٰ ۱۱۹۶ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۷۸۲ء میں ہو جاتا ہے۔ اور وہیں شاہ مرداں کی درگاہ کے پاس دفن کردیا جاتا ہے، اس طرح سے اسے دہلی میں کل دس سال تین ماہ رہنے کا موقع ملتا ہے۔[۱]

مرزا نجف خاں کے ان مختصر حالات کے بعد آیئے سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروانے کے قصے پر غور کریں۔ ہم نے ابھی دیکھا کہ مرزا نجف خاں پہلی مرتبہ مغل بادشاہ شاہ عالم کے ساتھ ۱۷۷۲ء میں دہلی آتا ہے اور دہلی میں اس کا اقتدار اس تاریخ کے بعد شروع ہوتا ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ اس سے پورے دس سال قبل ۱۷۶۲ء شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہو جاتا ہے۔[۲]

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ شاہ ولی اللہ کے پہنچے نجف خاں نے نہیں بلکہ کسی اور شیعہ نے اتروائے تب بھی یہ ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تو شاہ صاحب کی زندگی کا اہم سانحہ رہا ہوگا مگر نہ تو خود

۱؎ اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول صفحہ ۶۸۴ تا ۶۸۵

FALL OF THE MUGHAL EMPIRE BY G. N. SARKER VOL III (۲)

HISTORY OF FREEDOM MOVE MOVEMENT VOL I PP 126131 (۳)

۲؎ (۱) ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۹۵ - (۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۵۶ و ۲۸

انہوں نے کسی شاگرد یا صاحبزادے نے یا اس زمانے کے کسی تاریخ نگار نے اس کا کہیں ضمناً بھی ذکر کیا۔ اور تو اور خود حکمت ولی اللہی کے شارح اور شاہ ولی اللہ کے مکتب فکر کے سب سے بڑے عالم مولانا عبیداللہ سندھی نے بھی کہیں اس کا ذکر نہیں کیا، شاہ صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری دور میں ہمہ گیر شہرت اور عزت کے مالک تھے اور اس زمانہ کے تقریباً تمام اکابر علماء و فضلاء یا ان کے شاگرد تھے یا معتقد، مگر کسی نے بھی اس واقعہ کے خلاف آواز بلند کرنا تو کیا کہیں تذکرہ تک نہیں کیا۔

علاوہ ازیں اگر شیعہ حضرات اتنی طاقت رکھتے تھے کہ شاہ ولی اللہ جیسی شخصیت پر اس طرح مظالم ڈھا سکتے تو پھر انہوں نے ان کے پہنچے ہی کیوں اتروائے؟ وہ ان کو کوئی مضمون یا کتاب لکھنے سے باز رکھنے کے لئے اس سے زیادہ موثر اقدامات آسانی سے اٹھا سکتے تھے۔ پہنچے اتروانے کے بعد تو وہ املا کو آسانی سے کر ہی سکتے تھے کیونکہ ان کا دل و دماغ، زبان اور دوسرا اعضاء بالکل سالم تھے۔ کوئی بھی شخص اس قدر نادان نہ ہوگا کہ کسی شخص پر قابض ہو کر صرف اس کے پہنچے اتروا کر چھوڑ دے اور یہ سمجھ لے کہ اب یہ میرے خلاف کچھ لکھنے یا بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے منسوب قصہ نے تو لغویات اور افترا کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی پیدائش ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں ہوتی ہے، شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت ان کی عمر سترہ[1] سال کی ہوتی ہے[2] اور نجف خاں دہلی اس وقت آتا ہے جب کہ ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی اور جب شاہ صاحب کی عمر ۳۷ برس کی ہوتی ہے نجف خاں کا انتقال ہو جاتا ہے۔

امیر شاہ خاں صاحب کی روایت سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ نجف خاں نے اسی دس سال کے عرصے میں شاہ صاحب پر یہ تمام مظالم ڈھائے ہوں گے، اسی دس سال میں ان کے خلاف فرد جرم بھی عائد ہوئی ہوگی۔ ان کی مخالفت شروع ہوئی ہوگی، دو بار زہر دیا گیا ہوگا، ایک مرتبہ چھپکلی کا ابٹن ملوایا گیا ہوگا۔ اور پھر شہر بدر بھی کیا گیا ہوگا جو بظاہر دشوار نظر آتا ہے، پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ شہر بدر ہونے کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب جونپور سے دوبارہ دہلی نجف خاں کے زمانے میں تو واپس آئے نہ ہوں گے اس کے مرنے کے بعد ہی آسکتے تھے اور اس وقت ان کی عمر چالیس کے قریب ہوگی

---

[1] سے شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۵۷ (۲) نزھۃ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۲۶۸

اور ظاہر ہے کہ بصارت جونپور سے واپسی پر ہی زائل ہوئی ہوگی یعنی کم از کم چالیس برس کی عمر میں، مگر خاں صاحب کی روایت کے مطابق شاہ صاحب کی بصارت جوانی ہی میں جاتی رہی۔

چالیس برس کی عمر سے پہلے شاہ صاحب کی کسی تحریر یا تقریر سے کوئی بات شیعوں کے خلاف کھل کر ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ اسی زمانے کی تحریر "سر الشہادتین" ہے جس میں اکثر باتیں شیعی نقطۂ نظر کے مطابق ہیں، اور اس تصنیف پر کسی شیعہ کو بظاہر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے، اس کے علاوہ اسی زمانے کے واقعات ہیں کہ ان کی حضرات اہل بیت سے محبت اور عقیدت کے باعث اکثر متشدد سُنّی حضرات بھی ان کو شیعہ سمجھنے لگتے ہیں، چنانچہ خود شاہ صاحب اپنا ذاتی قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روہیلہ پٹھان جس کا نام حافظ آفتاب تھا، اور جو شاہ صاحب کے درس میں اکثر حاضر بھی رہتا تھا، ایک مرتبہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر شروع ہوا تو جیسا کہ سنّی لوگوں کی عادت ہے کہ جو صحابی ہوں دل و جان سے ان کے فضائل و مناقب کرتے ہیں، شاہ صاحب نے اس تذکرہ میں اسی طرح سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب بیان کرنے شروع کر دیئے، اس روہیلہ پٹھان نے ان کو شیعہ سمجھ لیا اور درس میں آنا بھی موقوف کر دیا۔[۱]

تفسیر فتح العزیز اور تحفۂ اثنا عشریہ جو شاہ صاحب کی سب سے اہم تصانیف ہیں چالیس برس کی عمر کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کے اکثر اہم فتوے بھی کم و بیش اس عمر کے بعد ہی کے ہیں شاہ صاحب نے شیعوں کے خلاف جو سب سے اہم تصنیف کی ہے وہ تحفۂ اثنا عشریہ ہے، اگر شیعہ حضرات کبھی بھی شاہ صاحب کے اس حد تک دشمن ہوئے ہوں گے تو وہ تحفۂ اثنا عشریہ کی تصنیف کے بعد ہی ہو سکتے ہیں۔ اور تحفۂ اثنا عشریہ کا سال تصنیف ۱۲۰۴ھ[۲] مطابق ۹۰-۱۷۸۹ء ہے اور نجف خاں جو حضرت شاہ صاحب کے متعلق ان تمام غلط روایات و اکاذیب کا ہیرو ہے اس سنہ سے آٹھ برس پہلے یعنی ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں انتقال کر جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نجف خاں کے بعد کسی شیعہ نے ان کے ساتھ اتنا ظلم کیا ہوگا تو یہ بھی قرین قیاس

لہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۳۲

سلہ (۱) تحفۂ اثنا عشریہ قلمی سر سلیمان کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و کتب خانہ رام پور۔

(۲) روداد کوثر صفحہ ۵۷

نہیں کیونکہ نجف خاں کے مرنے کے بعد دہلی میں شیعوں کا اثر بہت کم ہو جاتا ہے اور غلام قادر روہیلہ پٹھان جو کٹر سنی تھا نجف خاں کی جگہ لے لیتا ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ شاہ صاحب پر ان کی عمر کے کسی دور میں یہ واقعات پیش آئے تو یہ واقعات بھی شاہ صاحب کی زندگی کے اہم ترین سانحے ہونے چاہئیں، مگر تعجب ہے کہ اس زمانے کے کسی تذکرہ نویس یا اس کے فوراً بعد کے کسی تاریخ نگار نے اس اہم واقعے کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ خود ملفوظات میں جہاں شیعوں کی ایذارسانی کا تذکرہ ہے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں، پھر صاحب امیر الروایات کے مطابق شاہ عبدالعزیز صاحب کو دہلی سے جونپور تک اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب لکھنؤ تک پیدل بھیجا گیا مگر تعجب ہے کہ لکھنؤ کے کسی خاندان کے تذکرے میں نہیں ملتا کہ شاہ رفیع الدین صاحب لکھنؤ تشریف لائے اور نہ جونپور کے کسی تذکرے میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب یہاں کبھی تشریف لائے۔

اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہے تو ان کے تلامذہ کا جال پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، اور ان میں سے کسی نے راستے میں اپنے یہاں ان حضرات کو نہ روکا کہ وہ دھوپ اور لُو کی شدت سے کچھ دنوں آرام کر لیتے؟ امیر شاہ صاحب کی روایت کے مطابق شاہ عبدالعزیز صاحب یا شاہ رفیع الدین صاحب خدانخواستہ مسکین اور غیر معروف، کمزور اور بے یار و مددگار تھے جن پر جو چاہتا جس طریقے سے بھی ظلم ڈھاتا تھا اور ان کا کوئی خیر خواہ بھی نہ تھا کہ اس کے خلاف فریاد کرتا یا آواز اٹھاتا، اس لئے شاہ صاحب ہر ظلم کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

ممکن ہے خاں صاحب ممدوح طبّی اصولوں سے زیادہ بہتر واقفیت رکھتے ہوں مگر پھر بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ صرف لُو لگ جانے سے کسی شخص کے مزاج میں اس قدر حدت پیدا ہو جائے کہ فوراً ہی بینائی زائل ہو جائے۔

اس سے قطع نظر اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی بصارت تحفۂ اثنا عشریہ کے لکھنے سے بہت پہلے زائل ہوئی ہے اور یہ کسی خاص واقعے یا حادثے کا

(بقیہ حاشیہ) سلہ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اوّل صفحہ ۶۷۵

HISTORY OF FREEDOM MOVENT VOL I P. 131 (۲)

نتیجہ نہ تھی، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی جو شاہ صاحب کے سلسلے کے بڑے بزرگوں میں سے اور شاہ اسحٰق صاحبؒ[۱] کے خاص شاگردوں میں سے تھے فرماتے ہیں۔

"شباب میں بینائی بالکل جاتی رہی تھی، اکثر تصانیف نابینائی کی ہیں[۲]"۔

زمانہ کے لحاظ سے قاری صاحب امیر شاہ خاں صاحب کے مقابلے میں شاہ صاحب سے زیادہ قریب ہیں اور اس سلسلے کے اہم بزرگ اور عالم ہونے کی وجہ سے امیر شاہ خاں صاحب سے زیادہ معتبر بھی ہیں، اگر شاہ صاحب کی بصارت کا جانا ان کے شہر بدر کئے جانے کا نتیجہ ہوتا تو قاری صاحب اس ضمن میں اس کو ضرور بیان کرتے۔

قاری صاحب کے اس بیان کی تصدیق خود شاہ صاحب کے زمانے کے تاریخ نویس عبدالقادر خاں کے بیان سے ہوتی ہے، انہوں نے وقائع عبدالقادر خانی میں جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے اور جس کا اردو ترجمہ ابھی حال ہی میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی طرف سے ہوا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے تذکرے سے پہلے یوں لکھتے ہیں۔

"علماء دہلی اب اس شہر کے وہ اہل کمال گنتا ہوں جو بندہ کے زمانے میں موجود تھے"[۳]

پھر شاہ صاحب کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

"شاہ عبدالعزیز صاحب بینائی جاتے رہنے کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتے تھے، دوسرے کو بلا تامل املا فرماتے تھے۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کو دیکھا تھا اگر ان کی زندگی میں اتنے بڑے واقعات رونما ہوئے ہوتے تو اس کا ذکر یقیناً وہ اس کتاب میں کرتے، وہ شاہ صاحب کی بصارت جانے کا ذکر کرتے ہیں اور اگر یہ شہر بدر کا نتیجہ ہوتا تو اس ضمن میں ضرور اس کا ذکر ہوتا۔

اس کے علاوہ حکیم سید عبدالحئی صاحب نزہتہ الخواطر کی ساتویں جلد میں فرماتے ہیں۔

۱ے شاہ اسحٰق صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسہ اور ہندوستان میں انکے بعد انکی تحریک کے علمی وارث تھے

۲ے معارف نمبر۳ جلد۲۷ صفحہ ۱۹۴ مارچ سنہ۱۹۳۱ء

۳ے علم و عمل ترجمہ وقائع عبدالقادر خانی جلد اوّل صفحہ ۲۴۵

"...... ھذا وقد اعترته الامراض المولمة وھو ابن خمس وعشرين فأدت الى المراق والجذام والبرص والعمى ونحو ذلك حتى عد منها اربعة عشر مرضا مفجعا"[۲]

ترجمہ:۔ یہ تمام باتیں اس وقت تھیں جبکہ ان کو پچیس برس کی عمر میں بہت سارے شدید امراض ہو گئے تھے، شلاً مراق، جذام۔ برص۔ اور اندھاپن اور اسی طرح کے اور بہت سارے مہلک امراض جن کی تعداد چودہ تک پہونچ گئی تھی،

اس سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ شاہ صاحب کی بصارت جانا اور دوسرے امراض پچیس برس ہی کی عمر سے شروع ہو گئے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نجف خاں دہلی بھی نہیں آیا تھا، مولانا عبدالحئی صاحب نے بھی کہیں ان واقعات کا ذکر نہیں کیا۔

اس سلسلے میں جو سب سے اہم ثبوت ہے وہ خود شاہ صاحب کا خط ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے، اس خط میں شاہ صاحب فارغ شاہ کو ان کے خط کے جواب میں اپنے حالات اس طرح لکھتے ہیں۔

..... بعد از سلام مسنون الاسلام و دعوات ترقیات ظاہر و باطن مکشوف و واضح باد کہ رقیمہ کریمہ بعد از عرصۂ بسیار بہجت وصول آورد، الحمد للہ کہ خیریتہا معلوم شد از احوال مزاج فقیر کہ استفسار رفتہ بود تفصیل آں موجب ملال خواطر دوستاں است، مجمل آنکہ عارضۂ قدیم شکم بدستور شدت دارد و بصارت چشم گویا موقوف شدہ درد دنداں از خوردن و نوشیدن و بسیار سخن کردن مانع می شود[۱]

ترجمہ۔ سلام مسنون اور ظاہری و باطنی ترقیات کی دعاؤں کے بعد واضح ہو کہ عرصۂ دراز کے بعد کرم نامہ موصول ہوا، الحمد للہ کہ خیریت معلوم ہوئی اس فقیر کے مزاج کے حالات سے متعلق جو دریافت کیا ہے اس کی تفصیل دوستوں کے دلوں کے لئے موجب ملال ہے،

---

[۱] مجموعہ مکتوبات شاہ عبدالعزیز وغیرہ فارسی قلمی نمبر ۳۰۱۸ خدا بخش لائبریری پٹنہ

مختصر یہ کہ پیٹ کا پرانا مرض بدستور شدید ہے، آنکھوں کی بینائی گویا ختم ہو چکی ہے اور دانت کا درد کھانے پینے اور زیادہ بولنے سے مانع ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ خط ۱۱۸۹ھ کا لکھا ہوا ہے جیسا کہ نیچے صاف مہر سے واضح ہوتا ہے۔

اس مکتوب سے کئی اہم نتائج نکلتے ہیں:-

۱- شاہ صاحب کی بصارت قطعی طور پر تحفۂ اثنا عشریہ کی تصنیف سے کم و بیش پندرہ سال پہلے جب کہ آپ کی عمر تیس برس کی تھی جاتی رہی تھی۔

(۲) یہ بات کسی واقعے یا حادثے سے متعلق نہ تھی بلکہ ان کو شروع عمر ہی سے متعدد امراض لاحق ہو گئے تھے اور صحت خراب رہتی تھی۔

۳- اگر شاہ صاحب کو بالفرض محال شہر بدر کیا گیا ہوگا تو تیس برس کی عمر سے پہلے کیا گیا ہوگا جو کہ حقائق کے منافی اور بعید از قیاس ہے ۔

۴- اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شاہ صاحب کو اس عمر سے پہلے ہی شہر بدر کیا گیا تو اس وقت ان کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر یقیناً حیات تھے، امیر شاہ خاں صاحب کے بیان کے مطابق پورے خاندان کو شہر بدر کیا جاتا ہے ، مگر شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا کیا ہوتا ہے ؟ اور وہ کہاں جاتے ہیں ؟ خان صاحب یہ بیان کرنا بھول گئے ، ان کے خیال میں شاہ عبدالقادر شاید اس وقت سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے، ورنہ اگر وہ حیات ہوتے تو مرزا نجف خاں ان کو بھی ضرور شہر بدر کرتا اس لئے کہ شاہ عبدالقادر بذات خود شیعوں کی مخالفت میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی طرح کم نہ تھے ۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین سے متعلق یہ واقعات محض افسانے اور من گھڑت قصے ہیں جن کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس زمانے میں شیعہ سنی اختلاف کافی بڑھا ہوا تھا ۔ اور شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء اور شاہ عبدالعزیز کی تحفۂ اثنا عشریہ اسی دور اختلاف کی یادگار ہیں، یہ بات بھی یقینی ہے کہ شیعہ حضرات ان کے کافی خلاف ہو گئے تھے ، مگر مخالفت میں اس طرح کے غیر مؤثر مظالم جیسا کہ ہم نے دیکھا نا ممکن تھے ہاں البتہ انہوں نے مخالفت میں ان علمی تصانیف کا جواب تصانیف سے دیا ۔ اور واقعتاً صرف تحفۂ اثنا عشریہ کی تردید میں سولہ کتابیں لکھی گئیں، اور یہی بات قیاس سے زیادہ قریب بھی معلوم ہوتی ہے ، یہ ممکن ہے کہ بعض ہونہ

قسم کے مخالفین نے ان کو تنگ کیا ہو جیسا کہ خود ان کے ملفوظات سے بھی ظاہر ہے۔ مگر خاں صاحب کے بیانات قیاس اور تاریخ دونوں کے منافی ہیں۔

تعجب ہے امیر شاہ خاں صاحب کی اس روایت کو ضرورت سے زیادہ کیوں اہمیت دیدی گئی ہے اور اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب نے اس پر حاشیہ کیسے لکھ دیا اس لئے کہ خاں صاحب موصوف باوجود اپنی بزرگی کے علمی آدمی نہ تھے، وہ صرف مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی رحمہا اللہ اور اس دور کے دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے انہوں نے لوگوں کی زبانی جو واقعات سنے تھے انہیں کو بیان کیا کرتے تھے، امیر الروایات ان کی کوئی مستقل تصنیف بھی نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور جس میں غلطی کا پورا پورا احتمال ہے۔

اصل میں مولانا مناظر احسن گیلانی، امیر شاہ خاں صاحب سے کافی عقیدت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے جو کچھ بھی خاں صاحب سے سنا بلا کسی جرح و تنقید کے اس پر ایمان لے آئے اور اپنے زور قلم سے رائی کا پربت اس طرح بنایا کہ دوسرے جذباتی قسم کے حضرات بھی اس کو صحیح سمجھ بیٹھے لیکن "تاریخ" تاریخ ہے اور افسانہ افسانہ دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔

امام عبدالعزیز ابھی نوعمر ہی تھے کہ آپ کے والد شاہ ولی اللہ وفات پا گئے۔ امام عبدالعزیز نے اپنے والد کے شاگردوں اور صحبت یافتوں سے تعلیم مکمل کی آپ کے خسر شیخ مولوی نوراللہ بڈھانوی شاہ ولی اللہ کے خواص اصحاب میں سے تھے۔ اور وہ فقہ حنفی کا تحقیقی مطالعہ شاہ ولی اللہ سے سیکھ چکے تھے امام عبدالعزیز نے خاص طور پر ان سے فقہ حنفی کے اس طریقے کی تحصیل کی پھر آپ نے نہ صرف یہ کہ درس و تدریس کے ذریعہ اس طریقے کو عام کیا بلکہ شاہ ولی اللہ کے علوم کو کامیاب بنانے کے لئے ایک جماعت تیار کی۔